سید ماجد علی شاہ

مجھے یاد ہے ذرا ذرا

سید ماجد علی شاہ صاحب، حضرت امیر شریعت کی اہلیہ مرحومہ کے سگے تایا زاد ہیں۔ اسی ناطے وہ اُنہیں آپا جی کہہ کر پکارتے اسی طرح حضرت امیر شریعت کو بھائی جان کہتے۔ قیام پاکستان کے وقت امرتسر سے اُجڑ کر لاہور آئے تو پھر یہیں کے ہو رہے۔ آج کل لاہور میں سرکاری ملازم ہیں ذیل کی تحریر اُن کے ذاتی تجربے اور مشاہدے کے حوالے سے ایک تاثراتی کہانی ہے۔ (مدیر)

جب بھی میں اپنے ماضی میں جھانکتا ہوں تو ایک تصویر ہمیشہ مجھے صاف دکھائی دیتی ہے۔ تصویر کیا ہے۔ میری بپتا ہے۔ آپ بیتی ہے۔ میرے بچپن کی کہانی ہے۔ ایک حقیقت ہے جو میرے دل پر نقش ہے۔

ایک بیوہ خاتون کے اوپر تلے کے پانچ بچے ہیں۔ غربت اور کسمپرسی میں لپٹے ہوئے۔۔۔۔ سانکے ارد گرد کے لوگ اپنے اپنے حال میں مست ہیں۔ بیوہ خاتون اپنے ماں باپ کے جدی گھر (امرتسر) میں اپنے بچوں کو چھپا کر بیٹھی ہے۔ اس بے سہارا خاندان پر کیا گزرتی ہے؟ کس طرح اس معاشرہ میں وہ گذر بسر کرتا ہے؟ کن کن کرداروں کے ساتھ اس کا واسطہ پڑتا ہے؟ یہ اور اس قسم کے بے شمار سوالات جب میرے ذہن میں ابھرتے ہیں تو اس وقت مجھے امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ جو رشتے میں میرے بہنوئی ہیں۔ بہت یاد آتے ہیں۔ ان کے عظیم کردار، کو ان کی بے لوث اور بے غرض محبت کو میں عمر کے اس حصے میں بھی نہیں بھلا سکتا اور آخر دم تک نہ بھلا سکوں گا۔

ایک بے رحم معاشرہ میں عمومی رویہ یہی ہوتا ہے کہ جو شخص اس قسم کے حالات سے دوچار ہو۔ اسکے دولت مند رشتہ دار افلاس کی اس کیفیت پر ہنستے ہیں۔ یہی صورت حال اس بیوہ خاتون (میری والدہ ماجدہ مرحومہ) کو پیش آئی۔ خاندان نے کھاتے پیتے لوگ انکی اس مفلوک الحالی پر نہ صرف ہنسے بلکہ انہیں اپنا عزیز کہنا بھی چھوڑ دیا۔

اس ماحول میں خاندان کے جس شخص نے ہمارا ہاتھ پکڑا وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ یہ منظر آج بھی میرے ذہن میں گھوم رہا ہے۔ شاہ جی کے امرتسر والے مکان میں بیٹھا میں قرآن شریف کا سبق یاد کرنے کی اپنی سی کوشش کر رہا ہوں۔ آپا جی کی طرف سے خوفزدہ ہوں کہ سبق یاد نہ ہوا تو سزا ملے گی۔ اسی دوران پیر جی (شاہ جی کے سب سے چھوٹے فرزند سید عطاء المہیمن جنہیں پیار سے سب گھر والے پیر جی کہتے ہیں) کو میں نے گود میں لیا ہوا ہے اور سلانے کیلئے لوریاں بھی دے رہا ہوں۔ آپا جی مرحومہ نماز پڑھ رہی ہیں۔ میری بھابی (بنت امیر شریعت جنہیں ہم آپی کہہ کر پکارتے) بچیوں اور بچوں کو قرآن کریم پڑھا رہی ہیں۔ میں پیر جی کو کھلاتے کھلاتے اپنا سبق بھی یاد کر رہا ہوں لیکن سبق ہے کہ یاد ہی نہیں ہو رہا۔ اور اس بات کی فکر بھی ہے کہ اگر سبق یاد نہ ہوا تو آپی تو شاید کچھ رعایت کر دیں مگر آپا جی مرحومہ پٹائی کر دیں گی۔ بھائی جان مرحوم (سید عطاء اللہ شاہ بخاری) حسب معمول اللہ کے دین کی تبلیغ کیلئے گھر سے باہر ہیں۔ اس موقع پر لالہ جی (شاہ جی کے دوسرے فرزند سید عطاء المحسن

بخاری جنہیں پیار سے ہم للہ جی کہتے ہیں) سے میری ایک آدھ چونچ بھی ہو جاتی ہے۔ پھر اچانک محلہ سے ایک شور بپا ہوتا ہے۔ پکڑو پکڑو! یہ کوئی پتنگ کٹ کر جا رہی تھی اور بچے اس کے تعاقب میں تھے۔ میں بھی پیر جی کو تقریباً پھینک کر "گدھی" لوٹنے چھت پر چلا جاتا ہوں۔ گدھی تو لوٹنے والے لوٹ گئے مگر میں خالی ہاتھ نیچے آ کر آپا جی کے حکم پر کان پکڑ لیتا ہوں۔ بعد میں آپی جی کی سفارش پر مجھے معاف کر دیا جاتا ہے۔ پھر میں نے سبق یاد کر کے سنایا تو آپا جی بہت خوش ہوئیں۔ سبق سننے کے بعد انہوں نے مجھے چاول اور ثابت مونگی کھلائے۔ یہ ہمارے پنجابی اور کشمیری لوگوں کی پسندیدہ غذا ہے۔ دال چاول بہت مزیدار ہیں۔ اور میں مزے لے لے کر کھا رہا ہوں اس دوران آپا جی مجھے کھانے کے آداب بھی سکھا رہی ہیں۔ "منہ سے چپڑ چپڑ کی آواز مت نکالو" میں کھانا کھا چکا تو آپا جی میرے باقی بھائیوں اور والدہ کیلئے کھانا باندھ کر دیتی ہیں۔ "بیٹے جاؤ گھر لے جاؤ"

یہ وہ احساس ہے جو خالصتاً اللہ کی عطاء ہے

آپا جی جانتی تھیں کہ میری ایک عزیزہ بیوہ ہے۔ اور غریب ہے اسلئے ہر طریقے سے ان کی مدد کرتی تھیں۔

بھائی جان مرحوم تحریک آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ تمام ہندوستان میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ لوگ انکی باتوں اور صحبت کو ترستے تھے۔ بڑے بڑے سیاسی رہنما اور ادیب و شاعر ان سے ملنے آتے۔ مگر دوسری طرف میں ----- ایک یتیم اور غریب بچہ، میلا لباس بڑے بڑے بال اور سر جوؤں سے بھرا ہوا لیکن وہ مجھے اپنی پاکیزہ گود میں بٹھا کر احباب سے میرا تعارف یوں کراتے "ان سے ملئیے یہ میرے سالے ہیں" یہ تعارف، یہ محبت اور یہ اپنائیت میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہ تھا۔ انہوں نے اپنے رویّے سے میرے اندر احساس کمتری پیدا نہ ہونے دیا۔ بے شک وہ ہم سب کیلئے روشنی کا ایک مینار تھے۔ جن سے ہم سب حسب توفیق روشنی حاصل کرتے تھے۔ وہ ایک مثالی کردار کی حامل شخصیت تھے۔ اللہ اللہ! کیا لوگ تھے۔ اللہ کی رحمت کے خزانے ان پر نچھاور تھے۔ وہ سوائے انگریز کے کسی کے دشمن نہ تھے۔

یہ انکے عظیم اور بلند کردار کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ میں نے ان کا یہ رویہ شعور کے آنے سے پہلے کا جذب کیا ہوا ہے۔ جس کا اظہار میں کبھی کبھار اپنے مرحوم بھائی سید سعید شاہ صاحب سے کیا کرتا تھا یا پھر آج صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے تاریخ کے حوالے کر رہا ہوں۔ خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں